Dareecha-e-Tahqeeq

دریچۂ تحقیق

ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شہناز،
سابق صدر شعبۂ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد۔

ادب اور نفسیات کا باہم انسلاک: ایک جائزہ

Professor Dr. Rubina Shahnaz,
Ex-Head of Urdu Department, National University Of Modern Languages, Islamabad.

The Relationship Between Literature And Psychology: An Overview

This research paper delves into the multifaceted relationship between literature and psychology, offering a comprehensive analysis of the interplay between these two seemingly disparate disciplines. Literature, as a creative expression of the human mind, often serves as a profound mirror of psychological phenomena, illuminating the intricacies of human emotions, cognition, and behavior. Conversely, psychology provides valuable insights into the human psyche, enhancing our understanding of the characters and narratives woven into literary works. Through an interdisciplinary lens, this paper explores how literature has influenced the development of psychological theories and therapeutic practices, from Freud's psychoanalysis to the utilization of literature as a therapeutic tool in psychotherapy. Moreover, it investigates how psychological concepts, such as empathy and identity formation, are conveyed and examined in literary works. By illuminating this dynamic relationship, this research advances our comprehension of the profound impact literature and psychology have on each other, shaping our perceptions of the human experience.

Keywords: Literature, Psychotherapy, Psychology, Psychoanalysis, Stream of Consciousness, Therapeutic Tool, Dynamic Relationship.

ادب کا تعلق زندگی کے ہر پہلو اور گوشے سے ہے جس میں جذبات واحساسات کے علاوہ مشاہدات و تجربات کی گہری جھلک بھی نظر آتی ہے۔ گویا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ادب کا تعلق انسان کے شعوری وغیر شعوری عمل سے ہے، جس میں اس کے داخلی وخارجی خیالات کو فن کے پیکر میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے۔انسان کا ہر شعوری عمل اس کے ذہن سے منسلک ہے۔اس لیے اس کے تخلیقی عوامل تک رسائی کے لیے اس کے ذہنی عمل اور ساخت کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ادب میں سیاسی، سماجی، معاشرتی اور تہذیبی اقدار کے ساتھ ساتھ انسانی شخصیت کے پوشیدہ پہلوؤں کی عقدہ کشائی کی گئی ہے۔اس لئے ادب کا کام نہ صرف سماج میں ہونے والی خوبیوں اور خامیوں اور کج رویوں کو اجاگر کرنا ہے، بلکہ ہر دور کی تاریخ وتہذیب کو زندہ رکھنا بھی ہے۔ لیکن جہاں تک جدید ادب کا تعلق ہے، اس میں سماج سے زیادہ فرد کو فوقیت حاصل ہے کیوں کہ سماجی ترقی کا تمام تر دارومدار افراد پر ہے۔اس لیے سماج کی فلاح کے لیے فرد کی حالت کو بہتر بنانا ناگزیر ہے۔ ہر عہد کے ادب میں انسانی فطرت اور ذہنی کشمکش کے تانے بانے ملتے ہیں، لیکن اس کا باقاعدہ طور پر استعمال علم نفسیات کے ارتقاء کے بعد ہی وقوع پذیر ہوا، کیوں کہ اس سے پہلے سائنسی وصنعتی انقلاب نے انسان کے اندر ایک خلا سا پیدا کر دیا، جس نے انسان کے مادی اور روحانی وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔اگرچہ ترقی پسند تحریک نے انسان کو اس خلا سے باہر نکالنے کی خاطر خواہ کوشش تو کی لیکن یہاں بھی فرد سے زیادہ سماج کو ہی اہمیت دی گئی اور یہ نہیں سوچا گیا کہ سماجی ترقی کا باعث فرد ہے اور اگر فرد کی ذہنی حالت کو بہتر نہ کیا گیا تو سماج کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی جائے گی۔ لہٰذا ادب میں انسانی فطرت کی عقدہ کشائی کو محور بنایا گیا اور کہا گیا کہ ادب ایسا ہونا چاہیے جو انسانی شعور کی عکاسی کرے اور مکمل حقیقت کو اپنے اندر سمیٹ لے۔

"جدید ادب نفسیات کے نئے نظریوں کی روشنی میں فرد اور اس کے ذہنی عمل میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے لگا ہے۔ جدید ادب میں ایک مخصوص نظریہ کردار کی ذہنی کیفیت کے بیان ہی کو اپنا مقصود سمجھتا ہے، جدید ادب میں ہمیں اکثر اوقات فرد، اس کے ذہن، اس کی لاشعوری قوت اور ذہنی کیفیت کے گوناگوں تجربات کا بیان ملتا ہے۔ ادب میں ان رجحانات کی اشاعت کا باعث فرائڈ، ژونگ اور ایڈلر کے نظریات ہیں۔"(1)

ولیم جیمس(William James) نے اصول نفسیات لکھ کر علم نفسیات کی طرح ڈالی، جس کو سگمنڈ فرائڈ(Sigmund Freud) نے آگے بڑھایا اور تحلیل نفسی کا نظریہ پیش کیا۔ تحلیلِ نفسی (Psycho-Analysis) دراصل "لاشعور دماغ (Unconscious-Mind) " کے مطالعہ و تجزیہ سے متعلق نظریات اور علاج کے طریقوں کا ایک مجموعہ ہے جس کا مقصد ذہنی صحت کی خرابیوں کے علاج کے طریقہ کار کو وضع کرنا ہے۔ تحلیلِ نفسی مختلف گروہوں کی نظر میں متنازعہ علمی شعبہ ہے اور اس کی سائنسی حیثیت پہ بھی ابھی بحث جاری ہے۔ اس کے باوجود نفسیات میں دیگر علمی ضابطوں کی نسبت یہ ایک محکم اثرات کا حامل ہے۔ حتٰی کہ یہ دماغی علاج کے دائرے سے باہر دیگر کئی علمی و سائنسی شعبوں میں بھی استعمال ہو رہا ہے۔ ابتداء میں تحلیل نفسی کو طریقۂ علاج کے طور پر برتا گیا لیکن بعد ازاں اس کا استعمال جدید ادب میں بھی کیا جانے لگا۔ کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

"یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تحلیلِ نفسی ان عوامل کو آشکار کر سکتی ہے جو ایک انسان کو فنی اعتبار سے موجد بناتے ہیں۔ اگر تحلیلِ نفسی کچھ نہ کر کے صرف یہی کرتی تو وہ ادبی تنقید اور انسانیت دونوں کی طرف سے قابل مبارک باد ہوتی۔ دنیا بہت دنوں سے اس حیرت انگیز انکشاف کا انتظار کر رہی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ حیرت انگیز علم آشکار ہو گیا ہے۔"(2)

فرائڈ کے نزدیک انسان جبلتوں اور خواہشات کا مجموعہ ہے۔ اس نے جنسی جبلت پر سب سے زیادہ زور دیا، جو انسان میں بچپن ہی سے موجود ہوتی ہے، بس اس کی ہیئت حالات اور مواقع کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ فرائڈ نے اس جنسی قوت کو لبیڈو (Libido) کہا ہے ۔ فرائڈ کے مطابق انسان کی جو خواہشات پوری نہیں ہو پاتیں وہ لاشعور میں چلی جاتی ہیں اور ظاہر ہونے کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔ کبھی کبھی ان خواہشات کا ارتفاع سماج میں قابل قبول طریقوں سے ہوتا ہے اور ادیب ان دبی ہوئی خواہشوں کو فن کے پیکر میں ڈھال کر پیش کرتا ہے۔

فرائڈ کا بنیادی نظریہ تحلیلِ نفس ہے، جس نے فن کار کے تخیلی عمل کی تشریح کی اور بتایا کہ خواب ہماری ان خواہشوں کا اظہار ہیں، جن کو ہم عملی زندگی میں پورا نہیں کر پاتے لیکن خواب میں ان خواہشات کی براہ راست شکل نظر نہیں آتی اور ان کا اظہار اشاروں اور کنایوں میں ہوتا ہے۔ فرائڈ کے مطابق خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: تمنائی خواب (Wisher Dream) ، پریشانی کے خواب (Anxiety Dream) اور تعزیری خواب (Punishment Dream) ۔ انسان کی ناآسودہ خواہشات کی تکمیل پریشانی کے خواب میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے خوابوں کی تعبیر کے لیے تجزیۂ نفس کا سہارا لیا گیا۔ ادب میں بھی ایسے ہی خوابوں کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ فرائڈ کے مطابق شاعر بیداری کی حالت میں خواب دیکھتا ہے۔ وہ اپنے موضوع کا غلام نہیں ہوتا، بلکہ اس پر حاوی ہوتا ہے اور اپنے خوابوں کا رشتہ حقیقت سے جوڑ دیتا ہے۔ فرائڈ کے ان تصورات کے زیر اثر ادب میں دو طرح کے رجحانات سامنے آئے۔ اول فکری نوعیت کے رجحانات جن کے حوالے سے جنس اور وجود کے ابہام پر مبنی رجحانات نے فروغ پایا مثلاً طفلی حسیت، ایڈی پس کمپلکس ، تلاش پدر، خواب اور علاماتِ خواب کا استعمال، عہدِ طفلی کی طرف مراجعت وغیرہ دیگر تکنیکی نوعیت کے رجحانات ہیں جن کے حوالے سے آزاد تلازمۂ خیال، شعور کی رو، داخلی خود کلامی، علامت نگاری، تجریدیت، سرریلزم وغیرہ کو اہمیت حاصل ہوئی، جس نے فن کے مواد اور ہیئت پر گہرا اثر ڈالا۔

فرائڈ کے نظریہ تحلیلِ نفسی سے ادب میں شعور کی رو (Stream of Consciousness) کی تکنیک کا استعمال شروع ہوا۔ اس کے تحت ایسی تحریریں لکھی گئیں، جن کو الفاظ کے بجائے تفسیر سے سمجھنا ضروری ہو گیا۔ اس کا آغاز انگلستان میں پہلی جنگ عظیم کے بعد شروع ہوا، کیونکہ اس وقت لکھنے والوں کے سامنے حال سے بیزاری اور مستقبل سے مایوسی کا شدید احساس موجود تھا۔ انسان کے اندر تنہائی کا احساس ، ذاتی زندگی کا المیہ، تشدد کا جذبہ انتہائی عروج پر پہنچ چکا تھا، یہی وجہ تھی کہ شعور کے بہاؤ کی تکنیک میں کئی طرح کی تکنیکیں استعمال میں آئیں۔ جن میں داخلی تجزیہ اور حیاتی تاثر کافی مقبول ہیں۔ داخلی تجزیہ میں کردار کے تاثرات کو کردار کی زبان سے ادا کرایا جاتا ہے اور اس میں مصنف مداخلت نہیں کرتا۔ بعض اوقات یہ خیال اتنے نجی ہوتے ہیں، کہ اس کی جڑیں لاشعور سے مل جاتی ہیں، جس کے لیے مصنف کو اشاروں کنایوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ حیاتی تاثر میں ادیب صرف تاثرات پیش کرتا ہے۔ اس میں شعور کے اس حصہ کو بیان کیا جاتا ہے، جس پر دھیان نہ دیا گیا ہو، اس حالت

میں ذہن پر تیزی سے گزرے ہوئے واقعات کا اثر ہوتا ہے۔ حیاتی تاثر داخلی مونولاگ سے زیادہ قریب ہے۔ یہ ایک طرح کی خاموش خود کلامی ہے، جس میں کردار شعور میں بہتا چلا جاتا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ وہ بغیر رکاوٹ اور تشریح کے اپنے تصورات کو پیش کرتا ہے جس کے ذریعہ کردار کی پوری شخصیت نمایاں ہو جاتی ہے۔

"اس نئی تکنیک میں کرداروں کے خیالات اور دماغی نفسیات کا احاطہ کیا جانے لگا ہے۔ کیوں کہ دماغ میں حافظہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس کی تحریروں میں حافظہ یعنی ماضی کو اہمیت دی جانے لگی ہے۔ بقول ورجینیا وولف وقت یا ماضی ایک ایسا آلہ ہے جو تمام تجربوں کو جمع کرتا ہے اور پھر حافظہ کی مدد سے لوٹا دیتا ہے"۔(3)

ولیم جیمس نے "شعور کی رو" (Stream of Consciousness) کو جوئے رواں سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں ذہن کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی کیفیت کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ وقت کی قید و بند سے آزاد ہے۔ یہ مسلسل تغیر پذیر رہتی ہے، جس میں ماضی، حال اور مستقبل کے واقعات کو شعوری سطح پر لا کر پیش کیا جاتا ہے اور حال کے واقعات کا سلسلہ ماضی کے واقعات سے جڑ جاتا ہے۔ اس میں خیالات کا شعور سے رشتہ نفسیاتی بھی ہوتا ہے اور سماجی بھی۔ اس لئے زندگی کے پیچیدہ مسائل کو پیش کرنے کے لئے اس تکنیک کا سہارا لیا گیا، جس کی وجہ سے کہانی سے پلاٹ کا خاتمہ ہو گیا۔ کیوں کہ جدید ادیبوں نے محسوس کیا کہ انسان صرف خیر و شر کا مجمسہ ہی نہیں بلکہ نفسیاتی گرہوں کا مجموعہ بھی ہے۔ انسان بیک وقت بزدل، بہادر، خوش اخلاق، بدمعاش وغیرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے مصنف نے اس تکنیک کے ذریعے ایک سے زیادہ کرداروں کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تکنیک اجتماعی لاشعور کے اظہار کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس میں اختصار کا وصف بھی موجود ہے اور کم سے کم وقت میں فرد کی خارجی و داخلی زندگی، اس کے شعور، تحت الشعور اور لاشعور کی مکمل تصویر قاری کی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ شعور کے اس بہاؤ کو قابو میں رکھنے کے لیے آزاد تلازمۂ خیال کے اصول کو بروئے کار لایا گیا، جس کا مقصد اس بہاؤ میں منطقی تسلسل پیدا کرنا تھا۔ شعور کی رو کا باقاعدہ طور پر استعمال انگریزی میں جیمس جوائس (James Joyce) نے اپنے ناول یولیس (Ulysses) میں کیا۔ فرانسیسی ناول نگاروں میں مارسل پروست (Marcel Proust) اور ورجینا وولف نے اسے مقبول بنایا۔ اردو میں سجاد ظہیر، قراۃ العین حیدر کے یہاں اس تکنیک کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔

فرائڈ کے بعد جس ماہر نفسیات نے ادب پر گہرا اثر ڈالا وہ یونگ ہے، جو ابتدا میں فرائڈ کا نظریہ تحلیل نفس سے متاثر رہا۔ بعد میں اپنا الگ نظریہ پیش کیا، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، لیکن جہاں تک فن کار کا تعلق ہے یونگ نے فن کار کو دوہری شخصیت (نفسیاتی اور خیالی) کا مالک بتایا ہے اور اجتماعی لاشعور کو تخلیقی عمل کا سرچشمہ قرار دیا یعنی جب کوئی انسان شعور کو وقت کی رفتار کے مطابق نہیں ڈھال پاتا تو اجتماعی لاشعور حرکت میں آتا ہے اور فن کار اس کے ذریعہ نوع انسان کی ان شدید خواہشوں کا اظہار کرتا ہے، جو اس عہد کی خامیوں کو رد کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ اس کے علاوہ ایڈلر کے مطابق ادب اور فن احساس کمتری کی تلافی کا ذریعہ ہیں جس کا استعمال ادیب اپنی ذہنی و جسمانی احساس کمتری کو دور کرنے کے لیے کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فرائڈ نے ادیب کو نیوراتی کہا۔ فرائڈ نے تحلیل نفس سے یہ ثابت کیا کہ فن کار نیوراتی ہوتا ہے اور تخلیقی عمل نیوراتی عمل ہے جسے فن کار تخلیق کے وقت استعمال کرتا ہے، لیکن بعد میں وہ حقیقی دنیا سے اپنا رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ دراصل تخلیقی عمل کا سرچشمہ لاشعور ہے اور فن کار اپنی لاشعوری خواہشات کو فن کے پیرائے میں بیان کرتا ہے، جس سے وہ ناآسودگی کا شکار نہیں ہوتا۔ ادیب اور فن کار کا لاشعور بیک وقت تحت العقل اور فوق العقل ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شراب نوشی کے بعد جب شعور کام نہیں کرتا، تو تحت الشعور حرکت میں آکر تخلیقی قوت کو بڑھاوا دیتا ہے اور فن کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ادیب سادیت پرست (Sadist) بھی ہوتے ہیں۔ جنھیں تکلیف میں مزا آتا ہے وہ مستقل طور پر سماج سے بغاوت کرتے ہیں اور نیوراسس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ نیوراتی وہ ہے، جو بغیر جانے ہوئے اپنے دفاعی عمل کا استعمال کرے۔ ادیب کی دوسری نیوراتی علامتوں میں بھی یہی دفاعی عمل کارفرما ہیں۔

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں فرائیڈین نفسیات کے زیر اثر مغرب میں دادا ازم اور سرریلزم کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ دادا ازم دراصل وکٹورین عہد کے معیارات اور ضابطوں کے خلاف نوجوان نسل کی بغاوت تھی، جس کو فرائیڈین نظریات نے مقبول بنایا۔ دادا ازم کے بانیوں نے ادب، فن، فلسفہ، اخلاقیات، مذہب، اقدار، روایات غرض ہر شے کی افادیت اور معنویت سے انکار کیا ہے۔ انھوں نے لاشعوری کیفیات کی بے ترتیبی کو معیار بنایا اور ادب اور فن میں اظہار کی کوشش کی۔ اس تحریک کے پیش روؤں میں ہیوگو بال، ٹرسٹن زارا، الٹائین اور آندرے بریتون کے نام نمایاں ہیں۔ ان میں آندرے بریتون نے بعد میں اپنا راستہ الگ کر لیا اور سرریلزم تحریک کی بنیاد رکھی۔ سرریلزم تحریک دادا ازم کی بے معنویت کے برعکس انتشار اور لاشعوری وسعتوں میں ایک نئی دنیا کی تلاش تھی۔ اس کا محور محض حقیقت کے خلاف بغاوت نہیں تھا بلکہ حقیقت سے ماورا ایک اور حقیقت کی تلاش تھی۔ سرریلزم تحریک کی بنیاد بھی تحلیل نفسی اور لاشعوری نظریات پر رکھی گئی اس میں فن کار لاشعور کی گہرائیوں

سے اپنا مواد اخذ کرتا ہے اور حقیقت کو اس کے اصل روپ میں پیش کرتا ہے۔ سرریلزم میں ذہن کے غیر عقلی شعوری اور لاشعوری عناصر کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔ بظاہر جو جذبات واحساسات بے ربط اور منتشر نظر آتے ہیں ان میں ایک خاص ربط تو ہوتا ہے لیکن اس کا تعلق شعور سے نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر سماجی واخلاقی رسوم کی پابندی عائد ہوتی ہے۔ جہاں تک اردو افسانے کا تعلق ہے، اس میں اہم نام کرشن چندر کا ہے، جس نے اپنے مجموعہ " پرانے خدا" میں پہلی بار ماورائے حقیقت پسندی سے روشناس کرایا۔ اس کے علاوہ عزیز احمد کا جھوٹا خواب احمد علی کا "موت سے پہلے" اور "قید خانہ"، قراۃ العین حیدر کا "یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے"، انور سجاد کے مجموعے "چوراہا"، "استعارے" اور سریندر پرکاش کا مجموعہ

"دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم" میں سرریلزم کی کیفیت جابجا نظر آتی ہے۔

جدید نفسیات سے متعلق ایک اور تحریک اظہاریت (Expressionism) ہے، جو سرریلزم سے ملتی جلتی ہے۔ لفظ "اظہاریت" پینٹنگ (Painting) سے لیا گیا ہے، جس کا مقصد فطرت کے مناظر کی ہو بہو نقالی نہیں تھا، بلکہ فن کو ایک ذریعہ بنا کر فن کار کی اپنی روحانی زندگی کے ردعمل کا اظہار کرنا تھا، جو اطالوی مفکر کروچے کی بدولت سامنے آئی۔ کروچے کسی تاثر کی خوبصورت تشکیل کو تو مانتا ہے، لیکن اس کے بیرونی اظہار کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اس کے خیال میں فن صرف داخلی وانفرادی عمل ہے، جس کی تکمیل ذہن میں ہو جاتی ہے، اس کا بیرونی اظہار ضروری نہیں، اس لئے اس نے فن کے اظہار کو منافی قرار دیا۔ یہاں بھی بنیادی زور ذہنی تصورات، خیال، تاثر یا احساس پر دیا گیا، جو انسان کو خارجی دنیا کے حقائق سے دور لے جاتے ہیں۔ یعنی جب کوئی تاثر یا احساس ذہن پر پوری شدت کے ساتھ حاوی ہو جائے تو یہی اظہاریت ہے۔ جدید ادب میں داخلی مسائل کا اظہار بھی نفسیات کا مرہونِ منت ہے، کیوں کہ جنگ عظیم اول کے بعد ہندوستان میں جب ہندو مسلم کشمکش کا عروج، انگریزوں کے خلاف مزاحمت، سماجی ومذہبی پریشانیوں اور دیگر مسائل نے انسان کو شدید تذبذب کا شکار بنا دیا، تو علم نفسیات نے فرد کو اس خلا سے باہر نکالنے کی پرزور کوشش کی، جس کے گہرے اثرات ادب پر مرتب ہوئے۔ اردو افسانہ بھی انہی حالات کا پروردہ ہے۔ جدید نفسیات کی طرف اردو افسانے کا جھکاؤ نئے عہد کی ضروریات کے پیش نظر تھا کیونکہ اس عہد میں سب سے اہم مسئلہ جو ابھر کر سامنے آیا وہ جنس کا تھا۔ اردو ادب میں جنس کا رجحان بھی فرائڈ کے نظریات کی دین ہے۔ کیونکہ جنس ایک ایسا حیاتیاتی عنصر ہے، جو معاشرے، قوم اور علاقے میں یکساں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ البتہ معاشرے میں اسے دیکھنے کے زاویے ضرور بدلتے رہے ہیں اور اس کو ہمیشہ مفید رکھنے کی کوشش بھی کی گئی جس کی وجہ سے اس کا استعمال غلط طریقے سے کیا جانے لگا۔

بقول عزیز احمد :

"ہندوستان میں پردے، عورتوں سے دوری، اور دبی ہوئی جنسی خواہشات کی وجہ سے کسی نہ کسی پیرایہ میں نقطہ نظر رجعت پسندانہ ہو یا ترقی پسندانہ۔ جنس ہمیشہ دل ودماغ پر حاوی رہی ہے۔"(4)

فرائڈ نے باضابطہ طور پر نفسیات کو ایک علم کی شکل میں پیش کیا اور فرد کی داخلی کیفیت کو سمجھنے کا راستہ دکھایا لیکن جہاں تک افسانے کا تعلق ہے انیسویں صدی کے اردو افسانوں میں مارکس اور فرائڈ کے اثرات ایک ساتھ داخل ہوئے، جس کی وجہ سے طبقاتی کشمکش اور جنسی جبر کو افسانہ نگاروں نے اپنی تحریروں کا موضوع بنایا اور خارجی و داخلی مسائل کی ترجمانی ایک ساتھ کی، جس کی بہترین مثال انگارے "ہے۔ انگارے کے افسانوں میں بورژوائی استحصال اور جنسی جبر دونوں ایک ساتھ نظر آتے ہیں۔ فرائڈ نے بھی جنسی جبلت کو ایک فطری عمل قرار دیا اور بتایا کہ اگر فطری راستے مقید کر دیے جائیں تو اس کا اظہار غیر فطری اور مریضانہ طور پر ہو گا۔ "انگارے" کے مصنفین نے بھی اپنے افسانوں میں فرد کی غیر فطری اور مریضانہ کیفیت کا اظہار کیا ہے۔ ان افسانہ نگاروں نے نہ صرف فرائڈ کے نظریۂ جنس سے استفادہ کیا، بلکہ کرداروں کی وضاحت کے لیے تحلیل نفس کی بھی بدلی۔ انھوں نے پہلی بار افسانوں میں آزاد تلازمۂ خیال، شعور کی رو اور داخلی خود کلامی کا تجزیہ کیا، جس نے مروجہ ہیئت کو توڑ دیا اور فکر کا نیا معیار قائم کیا۔ یہ تبدیلی سماجی انقلاب اور معاشرے کے خلاف بغاوت کی تیز لہر تھی۔

"انگارے کے مصنفین کے یہاں جو بے لگام حقیقت نگاری ہے وہ قدیم معاشرے اور اخلاق وقوانین کے خلاف ایک وحشیانہ بغاوت ہے۔ ان افسانہ نگاروں پر کچھ تو مغربی افسانہ نگاروں کے مطالعے کا اثر ہے خاص طور پر ڈی۔ ایچ۔ لارنس اور جیمس جوائس وغیرہ کا اور کچھ اردو کے رومانی ادیبوں کی ان تحریروں کا جن میں فرسودہ اخلاقی نظام کے خلاف ایک انقلابی رومانیت اور شوخ و بے باکانہ انداز نگارش ملتا ہے۔ قاضی عبد الغفار کے لیلیٰ کے خطوط اور نیاز فتحپوری کے جنت کی حقیقت میں" انگارے کے نوجوان افسانہ نگاروں کی وہ دبی ہوئی چنگاریاں ہیں جو موقع پانے پر شعلہ بن گئیں ۔ "(5)

فرائڈ کے نظریات نے ایڈا اور لبیڈو کی صورت میں ادب کا رخ تلخ حقیقت کی طرف موڑ دیا، جس نے معاشرے میں خارجی ہلچل پیدا کر دی اور لوگوں نے اس صداقت کو بخشی اور عریانیت سے تعبیر کیا لیکن یہ سچ نہیں تھا، بلکہ افسانہ نگار زندگی کی ایک نئی تصویر پیش کرنا چاہتے تھے ۔اس لیے انھوں نے سماجی گندگی، جنسی زندگی، مریضانہ داخلیت کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ غرض کہ افسانوں میں نہ صرف جنس کا بیان ہے بلکہ اس میں معنویت بھی ہے۔ مثلاً عصمت چغتائی کا" لحاف" اور حسن عسکری کا " پھسلن "۔ان افسانوں میں ہم جنسیت کے دونوں پہلو ہیں۔"لحاف" میں عورت کا عورت سے جنسی تعلق یعنی Lesbianism اور " پھسلن " میں مرد کا مرد سے جنسی تعلق یعنی Homo Sexuality کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس کے علاوہ منٹو کے افسانے"پھاہا"، "بو" "بلاؤز"، "پڑھیے کلمہ "اور"میر انام رادھا ہے"، ممتاز مفتی کے افسانے " کالے سلیپر" اور "بدمعاش"وغیرہ میں جنسی سادیت و مساکیت کی بہترین مثالیں ہیں۔ یہ افسانے سماجی حقیقت کے غماز ہیں۔ ان افسانہ نگاروں کا مقصد فحاشی یا عریانیت نہیں تھا، بلکہ چند پرانے ناسور کو اجاگر کر کے انہیں بے نقاب کرنا تھا، تاکہ فرد کو جنسی گھٹن سے باہر لایا جاسکے۔ جس طرح ڈاکٹر اپنے مریض کا زخم صاف کر کے اس کا علاج کرتا ہے۔انیسویں صدی میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے اپنے افسانوں کی بنیاد خارجی پہلوؤں پر رکھی۔ ان لوگوں نے فرد کے داخلی مسائل سے زیادہ سماج کو اہمیت دی اور معاشرے کی مصوری خارجی سطح پر کی۔اس گروہ کے لکھنے والوں نے اپنے نظریات کی بنیاد مارکسی نظریات پر رکھی ۔اس میں پہلا نام پریم چند کا ہے۔ جس نے فرد کی زندگی کا مطالعہ سماجی، معاشرتی اور سیاسی نقطہ نظر سے کیا اور حقیقت نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ابتدائی تھیں سالوں میں اردو افسانہ جن جن مراحل سے گزرا اس کی آئینہ داری پریم چند کے افسانوں سے ہوتی ہے۔ مغرب میں حقیقت پسند افسانہ نگاروں میں ترگنیف ، موپساں، چیخوف، ٹالسٹائی اور بالزاک وغیرہ ہیں جن کا اثر اردو افسانے پر پڑا۔اردو میں ترقی پسند افسانہ نگاروں میں پریم چند، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی ،حیات اللہ انصاری، اوپندر ناتھ اشک، احمد ندیم قاسمی، اختر اوریںوی وغیرہ ہیں، جس کا غالب رجحان سماجی حقائق کی مصوری کی طرف تھا۔ اردو کے ابتدائی دور میں اس رجحان کے تحت لکھے گئے افسانوں میں بیدی کا "لاجونتی "احمد کا" مہاوٹوں کی ایک رات"، سجاد ظہیر کا" نیند نہیں آتی"، منٹو کا "ہتک"، شیر محمد اختر کا"ماں"، قدرت اللہ شہاب کا" دور نگا"، ممتاز مفتی کا "خواب"، عصمت کا "چوتھی کا جوڑا" ، حسن عسکری کا" حرام جادی"وغیرہ اہم ہیں۔ان افسانوں میں خارجی عمل کے ساتھ داخلی مرقع بھی پیش کیا گیا، جن پر فرائڈ کی تحلیل نفس اور جنسی رجحانات کا اثر غالب ہے اور اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ فرد کے ہر خارجی عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی داخلی محرک ضرور ہوتا ہے۔ ان محرکات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے افسانہ نگاروں نے علامتوں کا سہارا لیا۔ علامت کے معنی نشان، کھوج، سراغ، اشارہ اور کنایہ کے ہیں۔اس تحریک کا آغاز فرانسیسی شاعر بودلیر کے شعری مجموعہ بدی کے پھول کی اشاعت کے بعد ہوا۔علامت دراصل اظہار کا ایک وسیلہ ہے، جس کی تشکیل و تحلیل کسی قوم، علاقے یا فرد تک محدود نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق کسی خاص زمانے سے ہوتا ہے۔یہ انسانی زندگی کا ایک فطری، رواں اور مسلسل عمل ہے۔اسے ہر عہد کے لوگ اپنی ضرورتوں کے حساب سے علامتیں تشکیل کر کے ان کے معانی متعین کرتے ہیں۔ تخلیقی لحاظ سے علامت کی شے کی نقل نہیں ہوتی، بلکہ یہ کسی دوسرے شے پر دلالت کرتی ہے۔علامتی تحریک کی جہت متعین کرنے والوں میں ملارمے، ورلین، رینبو اور والیری کے نام قابل ذکر ہیں۔اس تحریک سے پہلے بھی ادب میں علامات موجود تھی لیکن تحریک کے بعد ہر زبان میں اس کا استعمال کثرت سے کیا جانے لگا، کیوں کہ علامت انسان کے لاشعوری خیالات کو واضح کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔اس کے متعلق ژونگ کا خیال ہے :

"سمبل لاشعوری تخیل کا پروردہ ہوتا ہے۔ سمبل لاشعور کو شعور سے وابستہ کرتا ہے۔ سمبل شعور کے سنسر کا کارِ خواب ہے۔ جس کی تشکیل عیاں کرنے کے لئے نہیں پوشیدہ رکھنے کے لئے ہوتی ہے۔اگرچہ عمل کا استدلالی عنصر قابل فہم بنایا جاسکتا ہے لیکن سمبلز کے غیر استدلالی عصر کو پوری طرح کبھی بھی مترشح نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو صرف احساس کے ذریعہ ہی گرفت میں لایا جاسکتا ہے۔ سمبلز میں اظہاری اور تاثراتی، لاشعوری اور شعوری عناصر اپنے تمام تضاد کے ساتھ یکجا ہوتے ہیں۔"(6)

لیکن جہاں تک اردو افسانے کا تعلق ہے اس میں علامت نگاری ایک تحریک کی شکل میں نہیں ملتی ، بلکہ یہ ایک رجحان کی صورت میں نظر آتی ہے، جو ترقی پسند تحریک کے بعد داخل ہوئی۔افسانے کے ابتدائی دور میں یلدرم، احمد علی ،منٹو، کرشن چندر، عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر وغیرہ نے جگہ جگہ علامتوں کا استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد کہانی میں ایک نیا موڑ آیا اور علامت کے ساتھ ساتھ تجریدی افسانے بھی لکھے گئے، جس کے اثر سے کہانی قدیم راہ سے ہٹ گئی اور پلاٹ غائب ہو گیا۔ان کہانیوں میں واقعات و حالات کو حقیقی شکل میں پیش کرنے کے بجائے وہ صورت پیش کی جاتی ہے، جو فن کار کے لاشعور سے ابھرتی ہے۔ علامتی و تجریدی افسانہ لکھنے والوں میں انتظار حسین، بلراج مین را، کمار پاشی، سریندر پرکاش، بلراج کومل اور رشید امجد وغیرہ اہم ہیں۔

جہاں تک ادب اور نفسیات کا تعلق ہے تو نفسیات زیادہ تر تجزیاتی نوعیت کا علم ہے۔اس علم نے ادب اور فن کے تخلیقی عمل کو زیادہ وضاحت اور نئے ذخیرہ اصطلاحات کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کے اثر سے تخیلی کردار کا تجزیہ آسان ہو گیا اور بہت کی چھپی ہوئی صداقتیں کردار کے داخل سے برآمد کر لی گئی۔اس لیے اب فن شخصیت کا پروردہ نہیں رہا بلکہ یہ ادیب کی شخصیت کو عریاں کر ڈالتا ہے۔ان نفسیاتی گتھیوں کو ادبی حسن کاری اور فن کے تصور سے ہٹا کر ادیب کی زندگی اور شخصیت پر مرکوز کر دی تاکہ الفاظ کے ظاہری معنوں کے پیچھے آباد ایک وسیع دنیا کا مطالعہ کیا جا سکے۔نفسیاتی تنقید کا اہم کام بھی یہی ہے کہ وہ کسی تخلیق کے وجود میں آنے کے داخلی اسباب و محرکات کی تلاش کرے اور فن کار نے جو علامتیں، استعارے اور تشبیہات استعمال کی ہیں،ان کا نفسیاتی تجزیہ کر کے لاشعوری محرکات کی نشان دہی کرے۔ انگریزی میں نفسیاتی تنقید کے اچھے نمونے آئی۔اے۔رچرڈز (IA Richards) کے یہاں ملتے ہیں۔اردو میں نفسیاتی تنقید لکھنے والوں میں میرا اں جی ، وحید الدین سلیم، حسن عسکری، ریاض احمد، سید شبیہ الحسن، وزیر آغا، سلیم احمد، دیویندر اسر، شکیل الرحمٰن وغیرہ ہیں۔ نفسیاتی تنقید نگاروں نے اُس ادب کو نفسیاتی کہا، جس میں تحلیل نفسی، لاشعور، اجتماعی لاشعور، احساس کمتری، شعور کی رو، داخلیت، علامات، خواب، جنسی نفسیات، نرگسیت اور سرریلزم وغیرہ کے نقوش پائے جائیں اور کرداروں کے داخل میں جا کر اس کی ذہنی الجھنوں اور پیچیدگیوں کا مطالعہ کیا جائے۔المختصر ! انسانی لاشعور نے فنونِ لطیفہ میں نت نئے اشاروں اور علامتوں کو جنمایا ہے اور فن کاروں اور تخلیق کاروں کو طریقۂ اظہار کے لیے مزید راہیں مہیا کی ہیں۔جدید نفسیات کی روشنی میں فن کاروں اور تخلیق کاروں نے اپنی تحاریر اور تخلیقات کو جلا بخشی ہے۔ادیبوں، تخلیق کاروں اور مصوروں کے وہ کارہائے نمایاں جو کہ اندھیروں کے دھندلکوں میں ذرے بن کر کہیں چسپاں ہو جاتے ہیں، نفسیات کی روشنی سے وہ تاباں ہو کر حسین تخلیق کے پیکر میں ڈھل کر منصۂ شہود پر آتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ دیوندر اسر: ادب اور نفسیات، مکتبہ شاہراہ دہلی ٦، دہلی، انڈیا، اپریل ١٩٦٣ء ، ص ١١۔

2۔ کلیم الدین احمد، تحلیل نفسی اور ادبی تنقید، بہار اردو اکادمی، پٹنہ ۴، انڈیا، ١٩٩٠ء، ص ١٨۔

3۔ ہارون ایوب، ڈاکٹر: شعور کی رو اور قرۃ العین حیدر (مرتب)، اردو پبلشرز، نظیر آباد، لکھنؤ، انڈیا، جون ١٩٧٨ء، ص ٢٥۔

4۔ عزیز احمد: ترقی پسند ادب، چمن بک ڈپو، اردو بازار، دہلی، ١٩۴٥ء، ص ٢٦ ۔

5۔ خلیل الرحمن اعظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، انڈیا، ٢٠٠٨ء، ص ١٧٩ ۔

6۔ دیوندر اسر: ادب اور نفسیات، ص ٨۴